Journal of Religion & Society (JR&S)
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

An Overview of the Religious and National Services of the Mashayikh of Pir Mahal

مشائخِ پیر محل کی دینی وملی خدمات کا جائزہ

Muhammad Waseem
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, The Imperial College of Business Studies, Lahore
hwaseemsialvi@gmail.com
Dr. Taiyyiba Fatima
Assistant Professor, The Imperial College of Business Studies, Lahore
taiyyiba.fatima@gmail.com

Abstract
Pir Mahal (District Toba Tek Singh) is a town of the Sandal Bar whose very name derives from "Pir da Mahal", the residence of a Sufi master. For centuries the area has hosted khanqahs of the Qadri, Chishti, and Suhrawardi and Naqshbandi orders. This article reviews the services of the mashaikh of Pir Mahal under two heads: religious services (preaching and spiritual guidance, teaching and fatwa, authorship and devotional poetry, and the defence of creed) and national services (participation in the Pakistan Movement, protection of Muslims during the turmoil of 1947, settlement of refugees, and the founding of educational and social institutions). Using a descriptive and analytical method, it draws on malfuzat, diwans, biographies and local sources. It finds that the mashaikh made the harmony of Shari'ah and Tariqah the basis of their mission, linked the khanqah with the madrasa and the dar al-ifta, produced religious literature in Punjabi, Saraiki, Persian and Urdu, and channelled their spiritual networks into national awakening. Their efforts also contributed to the promotion of Islamic teachings, preservation of religious traditions, moral reform and the development of social harmony among different sections of society. Furthermore, their educational and spiritual initiatives helped strengthen religious awareness and fostered a sense of collective responsibility within the local community. It also notes that much of this record survives in oral tradition and devotional hagiography, which still awaits critical historical documentation.
***Keywords**: Pir Mahal; Sandal Bar; khanqah system; Sufi mashaikh; religious services; Pakistan Movement; Sufi literature*

تعارفِ موضوع

برصغیر میں اسلام کی اشاعت اور مسلم معاشرے کی تشکیل میں صوفیائے کرام کا کردار ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے۔ ان بزرگوں نے خانقاہوں کو صرف ذکر و مراقبہ کی جگہ نہیں رہنے دیا، بلکہ انہیں تعلیم، تربیت، خدمتِ خلق اور معاشرتی اصلاح کے مراکز میں بدل دیا۔ قرآنِ مجید نے دعوت کا جو اسلوب سکھایا ہے، وہی ان کے طرزِ عمل کی بنیاد تھا:

﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾(1)

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ، اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کرو۔"

پیر محل اس اعتبار سے ایک منفرد مثال ہے کہ اس قصبے کا نام ہی ایک بزرگ کی قیام گاہ سے منسوب ہے، اور اس کے گرد و نواح میں متعدد سلاسل کی خانقاہیں پھیلی ہوئی ہیں۔

تحقیقی مقاصد واہداف

ان مشائخ کی خدمات پر اب تک کوئی مجموعی علمی کام نہیں ہوا، اور دستیاب مواد انفرادی تذکروں اور مقامی جرائد میں بکھرا ہوا ہے۔ اس مقالے میں درج ذیل سوالات کا جواب تلاش کیا گیا ہے:

- ا۔ مشائخِ پیر محل نے دینی میدان میں یعنی دعوت، تدریس، افتا، تصنیف اور تحفظِ عقائد میں کیا خدمات سر انجام دیں؟
- ۲۔ تحریکِ پاکستان، قیامِ پاکستان اور اس کے بعد کی معاشرتی تعمیر میں ان کا کیا کردار رہا؟
- ۳۔ ان خدمات کی نوعیت، اثرات اور حدود کے بارے میں کیا تجزیاتی نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں؟

تحقیق کا منہج بیانیہ و تجزیاتی ہے۔ چونکہ ان میں سے بیشتر مآخذ محققین کے ساتھ ساتھ عقیدت مندوں یا خانوادوں کے مرتب کردہ ہیں، اس لیے اس مقالے میں تاریخی واقعات اور کرامات وروایات میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے، اور کرامات کو صرف اس حد تک ذکر کیا گیا ہے جس حد تک وہ کسی دینی یا معاشرتی اثر کی عکاسی کرتی ہیں۔

پیر محل: تاریخی وجغرافیائی پس منظر قبل از قیامِ پاکستان

پیر محل وسطی پنجاب کے اس وسیع خطے کا حصہ ہے جسے "ساندل بار" کہا جاتا ہے۔ "بار" سے مراد وہ گھنے جنگلات ہیں جو نہری نظام سے پہلے صرف بارش سے سیر اب ہوتے تھے۔(2) اس علاقے میں کھرل، کاٹھیے، سیال، سرگانے، بلوچ اور دیگر قبائل صدیوں سے آباد تھے، جن کی معیشت کا انحصار مویشی بانی اور چراگاہوں پر تھا۔(3) "پیر محل" کے نام کی وجہ تسمیہ خود اس علاقے کی روحانی تاریخ کا پتا دیتی ہے۔ سید زوار حسین نقوی کے مطابق:

> مخدوم سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی آٹھویں پشت میں سید شیخ اسماعیل بخاری اُچ شریف سے چنیوٹ آئے اور وہاں تبلیغِ اسلام کا آغاز کیا۔ یہ علاقہ ان کے مریدین کا مسکن تھا۔ ان کی چوتھی پشت میں سید شیخ زین العابدین نذر و نیاز کے لیے یہاں آیا کرتے تھے۔ قبیلہ دوانہ کے سردار کی تجویز پر مریدین نے انہیں تقریباً ایک سو بیس چاہات پر مشتمل رقبہ پیش کیا(4)

انہوں نے 1106ھ میں یہاں ایک پختہ رہائشی مکان کی بنیاد رکھی۔ کچے گھروندوں کے اس علاقے میں یہ واحد پختہ مکان "پیر دا محل" کے نام سے مشہور ہوا۔ یہی "اصل پیر محل" موجودہ شہر سے تقریباً دس میل دور سندھیلیانوالی کے قریب واقع تھا اور اب خاندانِ سادات کے قبرستان کی صورت میں موجود ہے۔(5) بعد ازاں انگریزی دور میں نہری آبادکاری کے ساتھ موجودہ قصبہ آباد ہوا، ریلوے اسٹیشن کا نام "پیر محل" رکھا گیا، اور 1928ء کے بعد نہری آبادی کی وجہ سے اس علاقے میں خوشحالی اور شعور میں اضافہ ہوا۔(6)

پیر محل: تاریخی و جغرافیائی پس منظر قیام پاکستان کے بعد

قیامِ پاکستان کے وقت ہندوؤں اور سکھوں کے انخلا سے بازار اور منڈی ویران ہو گئے، مگر جلد ہی مہاجرین کی آمد سے یہ دوبارہ آباد ہوئے اور آبادی پہلے سے دوگنا ہو گئی۔(7) آج پیر محل ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کی ایک تحصیل ہے، اور اس کے گرد و نواح کی بستیاں، مثلاً سندھیلیانوالی، رام پور، اروتی اور متعدد چکوک، مختلف خانقاہوں کے مراکز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پیر محل کا خانقاہی نظام

"خانقاہ" فارسی الاصل لفظ ہے جس سے مراد کسی بزرگ کی قیام گاہ یا صوفیہ کے لیے مخصوص عمارت ہے۔(8) پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مطابق:

> خانقاہیں صرف تزکیۂ نفس کی تربیت گاہیں نہ تھیں بلکہ وہاں دینی تعلیم کا نظام بھی قائم تھا، اور بے سہارا دین دار لوگ وہاں رہ کر خود کو دینی جدوجہد کے لیے وقف کرتے تھے۔(9)

پیر محل کی خانقاہوں میں بھی یہی جامعیت نظر آتی ہے: ذکر و ارشاد کے ساتھ مسجد، مدرسہ، لنگر اور مسافر خانہ ان کے نظام کا حصہ رہے ہیں۔ اس علاقے میں خانقاہی روایت کی قدامت کا اندازہ خانقاہ حضرت جتی ابدال (موضع رام پور، دریائے راوی کے کنارے) سے ہوتا ہے۔ لالہ حکم چند کے مطابق جتی ابدال پہلے شہزادہ داراشکوہ کے ملازم تھے؛ داراشکوہ کی شکست کے بعد وہ فقیر ہو کر اس جنگل میں گوشہ نشین ہو گئے، اور شادی نہ کرنے کی وجہ سے "جتی" مشہور ہوئے۔(10) صاحبزادہ یوسف طاہر لکھتے ہیں کہ تلمبہ پتن کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ آستانہ مسافروں کا ٹھکانہ تھا اور ہمسایہ زمینداروں نے یہاں لنگر کا انتظام کر رکھا تھا۔(11)

پیر محل کے نمایاں مشائخ و خانقاہوں کی خدمات کا جائزہ

پیر محل کی نمایاں خانقاہوں میں دربارِ عالیہ قطبیہ سندھیلیانوالی، آستانہ غوثیہ سہروردیہ، خانقاہ مجددیہ امیریہ، آستانہ قادریہ فاضلیہ جیلانیہ، خانقاہ بہار شاہ، خانقاہ قدوائیہ اور خانقاہ صفوریہ شامل ہیں۔ ان کا تعلق قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی چاروں بڑے سلاسل سے ہے، جو اس خطے کے روحانی تنوع کی دلیل ہے۔ ذیل کی جدول میں اس مقالے میں زیرِ بحث آنے والے نمایاں مشائخ کا مختصر تعارف دیا گیا ہے:

نمبر شمار	شخصیت	سلسلہ / نسبت	زمانہ	مرکزِ خدمت
۱	میاں علی حیدر ہاشمی ملتانی	چشتی (پنجابی صوفی شاعر)	تقریباً ولادت 1690ء	چونترہ، تحصیل پیر محل
۲	صالح محمد صفوری	قادری	1759ء تا 1832ء	خانقاہ صفوریہ
۳	پیر سید قطب علی شاہ (قطبِ عالم)	قادری سلطانی	ولادت 1849ء	سندھیلیانوالی شریف
۴	خلیفہ محمد جلال الدین سہروردی بہادر پوری	سہروردی	وفات 1960ء	پیر محل اور نواحی چکوک
۵	پیر سید محمد انور جیلانی	قادری فاضلی	پیر محل میں قیام 1940ء تا 1960ء	آستانہ قادریہ فاضلیہ جیلانیہ
۶	پیر سید محمد اقبال حسین شاہ ترمذی کاظمی	سہروردی	ولادت 1911ء	آستانہ غوثیہ سہروردیہ (اقبال نگر)
۷	مولانا محمد عبدالغفور چراغوی علی پوری نسبت،	فیضِ بریلی	وفات 1998ء	سندھیلیانوالی و پیر محل
۸	مفتی محمد اکبر رضوی	قادری رضوی	پیر محل میں 1953ء تا 2016ء	جامع مسجد سنی رضوی، غلہ منڈی
۹	مولانا نور احمد قطبی	قادری (مریدِ قطبِ عالم)	قیامِ پاکستان سے پہلے اور بعد	جامع مسجد صاحبِ لولاک

مشائخِ پیر محل کی دینی خدمات کا جائزہ

مشائخِ پیر محل کی دینی خدمات میں سب سے نمایاں پہلو دعوت و ارشاد ہے۔ اس میدان میں حضرت پیر سید قطب علی شاہ (قطبِ عالم) اور آپ کے خانوادے کا شمار اولین کی صف میں ہوتا ہے۔ آپ کا نسب انہی سید شیخ زین العابدین بخاری تک پہنچتا ہے جن کے نام سے "پیر محل" منسوب ہے۔

دعوت وارشاد اور اصلاحِ معاشرہ میں مشائخ کا کردار

حضرت پیر سید قطب علی شاہ (قطبِ عالم) کی ولادت ملفوظات کی روایت کے مطابق 21 شوال 1265ھ، مطابق 9 ستمبر 1849ء کو ہوئی۔(12) آپ نے میرک شریف کے حضرت پیر سید چراغ علی شاہ قادری کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور تقریباً دو سال بعد 1291ھ مطابق 1874ء میں خلافت پائی۔(13) محمد طاہر حسین قادری لکھتے ہیں:

> اپنے شیخ کے وصال کے بعد آپ مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور خاندانِ سلطان ہاتھیوان کے اس سلسلے کو ایسا فروغ دیا کہ "لمعاتِ قطب" کے مؤلف کے بقول آج ملک بھر کی قادریہ سلطانیہ خانقاہیں حضرت قطبِ عالم کے واسطے سے منسلک ہیں۔(14)

حضرت قطبِ عالم کے دور میں علاقہ پیر محل تعلیمی لحاظ سے نہایت پسماندہ تھا۔ "لمعاتِ قطب" کے مطابق یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہونے کے باوجود لوگ دینی احکام سے بڑی حد تک ناواقف تھے۔ آپ کی مجلس میں سارا دن حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے مواعظ "فیضِ سبحانی" کا درس ہوتا؛ ایک پڑھا لکھا درویش متن پڑھتا اور آپ ساتھ ساتھ اس کی عام فہم تشریح فرماتے۔ بعض اوقات "مرآۃ العارفین" اور "مکتوباتِ عشق" کا درس بھی ہوتا۔(15) ان مساعی کے نتیجے میں لوگوں میں دین کا شوق پیدا ہوا، نماز، روزے اور تہجد کی پابندی عام ہوئی۔ آپ کا اصول یہ تھا کہ جو طالبِ حق بن کر آئے اسے بلا تکلف راہ دکھائی جائے؛ آپ فرماتے کہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن وہ بارگاہِ الٰہی میں یہ شکایت کرے کہ تیرے فقیر کے پاس گیا تھا مگر اس نے راہ نہ دکھائی۔(17)

دعوت کے دائرے کو وسیع کرنے کے لیے حضرت قطبِ عالم مختلف علاقوں میں اپنے مقرر کردہ واعظ بھیجتے تھے۔ "لمعاتِ قطب" میں نواحِ جراحی کا واقعہ منقول ہے، جہاں عقائد کے حوالے سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کے پیشِ نظر آپ نے سال بھر وعظ و تبلیغ کا اہتمام فرمایا۔ آپ کی دعوت میں شریعت کی پابندی کو اولیت حاصل تھی۔ آپ کے ملفوظات "مرآۃ الفقراء" کی دوسری مجلس شریعت کی پاسداری ہی کے بارے میں ہے، اور آپ کا یہ شعر آپ کے منہج کا خلاصہ ہے:

شریعت میں ہو پہلے محکم پسر
تا ہو طریقت کی تجھ کو خبر
(18)

حضرت قطبِ عالم کے اپنے عہد کے اکابر سے بھی گہرے روابط تھے۔ مولانا عبد الحکیم شرف قادری کے مطابق آپ کے امام احمد رضا خان بریلوی سے مخلصانہ تعلقات تھے۔(19) "مہرِ منیر" کے مطابق حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی نے ایک سفر کے دوران آپ کی دعوت پر سندھیلیانوالی میں ایک روز قیام فرمایا، اور آپ کی تصانیف میں "اسرارِ معرفت" اور رسالہ "حیات النبی" یادگار ہیں۔(20) 1306ھ/1888ء میں اپنے شیخ (حضرت پیر سید چراغ علی شاہ قادری) کے وصال کے بعد 1308ھ/1890ء میں حضرت سید شیر محمد گیلانی (شیر یزدانی) آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، جنہیں بعد میں آپ نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ محمد طاہر حسین قادری لکھتے ہیں:

> ان کے منظوم پنجابی خطوط، جو "مکتوباتِ عشق" کے نام سے شائع ہوئے، آپ کی شہرت کو پنجاب، بہاولپور اور سندھ تک لے گئے؛ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو دنیا سے چھپ کر یادِ الٰہی میں مگن تھا، مگر شیر محمد نے ہر طرف منادی کرادی۔(21)

اصلاحِ معاشرہ کی یہی روایت دیگر مشائخِ پیر محل میں بھی نمایاں نظر آتی ہیں۔ پیر سید محمد اقبال حسین شاہ ترمذی کاظمی (ولادت 1911ء) نے چک نمبر 308 گ ب کی جامع مسجد اور اس سے متصل حجرے سے اپنے روحانی سفر کا آغاز کیا اور بعد میں آستانہ عالیہ غوثیہ سہروردیہ (اقبال نگر) کی بنیاد رکھی۔ آپ کے سوانح نگار کے مطابق آپ سنت کی پیروی کا خاص اہتمام کرتے اور مریدین کی دنیاوی مشکلات میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔(22)

پیر محل کی خانقاہوں کے کردار کا جائزہ

خانقاہِ مجددیہ امیریہ کا کردار

اصلاح معاشرہ میں خانقاہِ مجددیہ امیریہ کا بھی نمایاں کردار ہے۔ حضرت پیر امیر علی شاہ نے چک نمبر 320 گ ب میں اس خانقاہ کی بنیاد رکھی، جو تقریباً تین دہائیوں تک اہلِ علاقہ کے لیے رشد و ہدایت، اصلاحِ باطن اور دینی تربیت کا مؤثر مرکز رہی۔ یہاں مقامی افراد کو سلسلۂ قادریہ کی نسبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا، جس کے نتیجے میں متعدد افراد علمِ دین اور سلوک و طریقت کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔

خانقاہ قادریہ فاضلیہ جیلانیہ کا کردار

اصلاح معاشرہ میں خانقاہ قادریہ فاضلیہ جیلانیہ کا بھی نمایاں کردار ہے۔ حضرت پیر سید محمد انور جیلانی شاہ قادری فاضلی نے ٹینکی والے چوک میں یہ خانقاہ قائم کی اور ذکر و فکر، اصلاحِ باطن، تعلیمِ دین اور خدمتِ خلق کی ایسی روحانی روایت قائم کی جس سے اہلِ علاقہ نے طویل عرصہ فیض حاصل کیا۔ پیر محل اور گردونواح میں موجود حلقۂ ارادت آج بھی اس روحانی نسبت سے وابستہ ہے۔

خانقاہِ عالیہ بہار شاہ کا کردار

اصلاح معاشرہ میں خانقاہِ عالیہ بہار شاہ کا بھی نمایاں کردار ہے۔ حضرت پیر سید بہار شاہ شیرازی کے مزارِ اقدس کی برکت سے یہ بستی آباد ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ پورا علاقہ "بہار شاہ" کے نام سے معروف ہو گیا۔ یہ خانقاہ ابتدا ہی سے ذکر و فکر، اصلاحِ باطن، خدمتِ خلق اور روحانی تربیت کا مرکز رہی ہے۔

خانقاہ عالیہ بغداد شریف کا کردار

اصلاح معاشرہ میں خانقاہ عالیہ بغداد شریف کا بھی نمایاں کردار ہے۔ یہ خانقاہ حضرت شاہ حبیب اللہ بغدادی گیلانی سے منسوب ہے اور پیر محل شہر سے دریائے راوی کے جنوبی کنارے ہیڈ سدھنائی سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس آستانے کا اثر پیر محل کی سماجی، ثقافتی اور معاشی زندگی پر بھی نمایاں طور پر محیط ہے۔

خانقاہ قدوائیہ کا بھی نمایاں کردار

اسی اصلاحی میدان میں خانقاہ قدوائیہ کا بھی نمایاں کردار ہے۔ یہ خانقاہ پیر محل سے سندھیلیانوالی روڈ پر حارث آباد کے بالمقابل رحمت ٹاؤن میں حضرت میاں خالد ظفر قدوائی کے مزارِ انور کی صورت میں مرجعِ خلائق ہے۔ یہ خانقاہ اپنی روحانی عظمت، دینی خدمات، خدمتِ خلق، مہمان نوازی اور روحانی اجتماعات کے باعث خطۂ پیر محل کا ایک ممتاز روحانی مرکز ہے۔

خانقاہ سید محمد شریف چشتی کا کردار

اصلاح معاشرہ میں خانقاہ سید محمد شریف چشتی کا بھی نمایاں کردار ہے۔ یہ خانقاہ پیر محل شہر کے لاری اڈا کے قریب رجانہ روڈ پر واقع ہے اور آج بھی عقیدت مندوں کے لیے فیض و برکت اور روحانی سکون کا مرکز سمجھی جاتی ہے۔

اصلاح معاشرہ اور دعوت و تبلیغ وارشاد میں خانقاہِ صفوریہ کا بھی نمایاں کردار ہے۔ یہ خانقاہ سندھیلیانوالی سے عبدالحکیم روڈ پر اروتی سے آگے ہیڈ سے پہلے برلبِ سڑک واقع ہے اور عرصۂ دراز سے طالبانِ حق کی روحانی تربیت اور اصلاحِ باطن کا مرکز چلی آرہی ہے۔ اس خانقاہ کی بنیاد حضرت صالح محمد صفوری کی والدۂ محترمہ نے رکھی، جو حضرت سلطان عبدالحکیم کی مریدہ اور اپنے عہد کی ایک کامل ولیہ تھیں۔(23)

خانقاہِ عالیہ قادریہ فاضلیہ مقبولیہ کا کردار

اصلاح معاشرہ میں خانقاہِ عالیہ قادریہ فاضلیہ مقبولیہ کا بھی نمایاں کردار ہے۔ حضرت پیر سید عبدالحق شاہ قادری فاضلی نے 1950ء میں اس خانقاہ کی بنیاد رکھی اور اسے ذکر و فکر، اصلاحِ باطن، تعلیمِ قرآن اور خدمتِ خلق کا مرکز بنایا۔ یہاں بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم کا باقاعدہ اہتمام تھا، جبکہ حضرت سید محمد حسن بادشاہ المعروف میاں بادشاہ کی نگرانی میں ایک مطب بھی قائم تھا، جہاں عوام کو طبی خدمات فراہم کی جاتی تھیں۔

دیگر خانقاہوں کا کردار

ان خانقاہوں کے علاوہ خانقاہِ محمدیہ، خانقاہ حیدریہ ہاشمیہ، خانقاہ عالیہ قادریہ حق ولی، خانقاہ عالیہ پیر ذاکر آباد، خانقاہ حضرت بابا ککے ون شاہ، خانقاہ حضرت بابا کے شاہ، خانقاہ حضرت لال شاہ بخاری، خانقاہِ چشتیہ نظامیہ، خانقاہِ حضرت بابا نکے شاہ ولی اور دیگر خانقاہوں کے مشائخ نے مختلف شعبہ ہائے دعوت و تبلیغ میں نمایاں کردار موجود ہیں۔

تدریس، افتا اور دینی اداروں کا قیام و کردار

خانقاہی نظام کی ایک قدیم روایت یہ رہی ہے کہ خانقاہ کے ساتھ مدرسہ بھی قائم ہو۔ قرآنِ مجید اہلِ علم کے مقام کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾(24)

"اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے درجات بلند فرماتا ہے جنہیں علم دیا گیا۔"

پیر محل میں اس روایت کی سب سے نمایاں مثال شیخ الحدیث مفتی محمد اکبر رضوی ہیں۔ آپ ضلع میانوالی کی بستی موزہ ڈنگ میں پیدا ہوئے، 1951ء سے دو سال تک محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قادری سے دورۂ حدیث مکمل کیا، اور 1953ء میں جامع مسجد سنی رضوی غلہ منڈی پیر محل میں تدریس پر مامور ہوئے۔ بعد ازاں خطابت کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی۔ 1960ء کی ایک تحریر کے مطابق اس مدرسے میں صرف، نحو، فارسی، منطق، فلسفہ، فقہ اور تفسیر کی تعلیم دی جاتی تھی، اور نصاب میں تفسیرِ جلالین، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، شرحِ جامی، شرحِ تہذیب اور نور الانوار شامل تھیں۔(25) اُس وقت طلبہ کی تعداد پندرہ تھی، جو بعد کے برسوں میں سو سے تجاوز کر گئی۔ آپ نے اسی مسجد میں دار الافتا قائم کیا، جہاں سے تقریباً ساٹھ برس تک علاقے کے لوگوں کو شرعی رہنمائی فراہم کی جاتی رہی۔ آپ کا وصال 17 ستمبر 2016ء کو ہوا، اور آج بھی یہ مسجد اور مدرسہ آپ کے خانوادے کی نگرانی میں قائم ہیں۔ صاحبزادہ ضیاء المصطفیٰ لکھتے ہیں:

> مولانا محمد عبد الغفور چراغوی کی تدریسی خدمات کا دائرہ پیر محل سے فیصل آباد تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ ضلع شیخوپورہ کے گاؤں کانوالی میں پیدا ہوئے، امرتسر اور پھر بریلی میں تعلیم حاصل کی، اور بعد میں محدثِ اعظم پاکستان سے بھی استفادہ کیا۔ "حیاتِ لاثانی" کے مطابق آپ "صدر المدرسین" اور "سلطان الواعظین" کے القاب سے معروف ہوئے، اور آپ کی خطابت سے بہت سے لوگوں نے اہلِ سنت و جماعت کے عقائد اختیار کیے۔(26) آپ نے دربارِ عالیہ قطبیہ سندھیلیانوالی کے دار العلوم قطبیہ رضویہ میں طویل عرصہ تدریس کی، اڈامرید والا میں دار العلوم غوثیہ سلطانیہ قائم کیا، اور قیامِ پاکستان کے بعد محدثِ اعظم پاکستان کے ساتھ مل کر مرکزی جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد کی بنیاد رکھنے میں شریک رہے۔(27)

تعلیمی خدمات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ بعض مشائخ نے عصری تعلیم کے میدان میں بھی خدمات انجام دیں۔ خلیفہ محمد جلال الدین سہروردی "غوثیہ فریدیہ اسلامیہ پرائمری اسکول" کے اولین معلمین میں سے تھے، جس کی بنیاد ڈاکٹر فرید بخش نے اپنے طبی مرکز کے ایک گوشے میں رکھی تھی۔ اس بے سرو سامان درس گاہ میں فرائض اس طرح تقسیم کیے گئے کہ ڈاکٹر فرید بخش تاریخ پڑھاتے، چودھری باغ علی جغرافیہ اور حساب، جبکہ قاضی جلال الدین درسِ قرآن، اردو، خطاطی اور گرامر کی تعلیم دیتے تھے۔(28) اسی طرح پیر سید محمد حسین شاہ گیلانی 23 ستمبر 1942ء سے 23 جولائی 1962ء تک سرکاری پرائمری اسکولوں میں استاد رہے، اور چک نمبر 330، 717، 331 اور 334 گ ب سمیت متعدد دیہات میں تدریس کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔(29)

خانقاہوں اور مساجد میں قرآنِ مجید کی بلا معاوضہ تعلیم بھی ان خدمات کا اہم حصہ رہی ہے۔ حافظ مشتاق احمد چشتی (ولادت 1924ء، چک نمبر 320 گ ب) امامت کے ساتھ بچوں اور بچیوں کو قرآنِ مجید پڑھاتے تھے اور اس پر کوئی معاوضہ نہ لیتے۔ یہ سلسلہ آج ان کی تیسری نسل میں جاری ہے۔ پیر محل کی مرکزی جامع مسجد صاحبِ لولاک کے خطیب مولانا نور احمد قطبی کے بارے میں جالب چوہدری لکھتے ہیں کہ وہ تیس برس سے بلا معاوضہ خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے، اور دن رات مسجد کی تعمیر میں مصروف رہتے تھے۔(30)

پیر محل کی تصنیفی و ادبی خدمات کا جائزہ

مشائخِ پیر محل کی دینی خدمات کا ایک وقیع حصہ ان کا منظوم و منثور ادب ہے۔ ان بزرگوں نے فارسی، اردو، پنجابی اور سرائیکی میں ایسا ادب تخلیق کیا جس کے ذریعے توحید، عشقِ رسول ﷺ، فکرِ آخرت اور اخلاقی تعلیمات عام لوگوں کی زبان میں ان کے دلوں تک پہنچیں۔ میاں اللہ بخش جلال لکھتے ہیں:

> میاں علی حیدر ہاشمی ملتانی: اس روایت کے سب سے قدیم اور نامور شاعر میاں علی حیدر ہیں، جو تحصیل پیر محل کے قصبہ چونترہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے سنِ ولادت کے بارے میں 1689ء، 1690ء اور 1692ء کی مختلف آرا ملتی ہیں۔(31)

مزید میاں اللہ بخش جلال لکھتے ہیں:

> وہ حافظِ قرآن اور فارسی و عربی کے فاضل تھے، اور عالمِ شباب ہی سے عشقِ حقیقی کے رموز پنجابی اشعار میں بیان کرنے لگے تھے۔(32) انہوں نے حضرت خواجہ محمد فخر الدین دہلوی سے بیعت کی۔(33)

ملک فضل الدین لکھتے ہیں:

> ان کی سی حرفیاں اور ابیات پنجابی صوفیانہ ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ملک فضل الدین نے ان کا "مکمل مجموعہ ابیات" شائع کیا، اور اس کے دیباچے میں انہیں پنجابی شاعروں میں ایک غنیمت قرار دیا۔(34)

ان کے کلام میں عشقِ رسول ﷺ کا رنگ یوں جھلکتا ہے:

اس دل مینڈے نوں روشن وے حیدر!
پاک رسول دے نور کیتا

(35)

اور خلفائے راشدین سے محبت کا اظہار یوں کیا ہے:

ابو بکر، عمر، عثمان دا ای
اتے حیدر! علی قرار دا ای

(36)

صالح محمد صفوری: حضرت صالح محمد صفوری 1172ھ مطابق 1759ء میں حضرت مائی صفورہ قادریہ کے ہاں پیدا ہوئے، اور 24ذوالحجہ 1247ھ مطابق 25 مئی 1832ء کو وفات پائی۔(37) انہوں نے عربی، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں شاعری کی؛ عربی میں "مدحِ غوث الاعظم"، فارسی میں "شرف نامی"، اور پنجابی میں "عاجزی نامہ"، سی حرفی نعت، اور "سوہنی مہینوال" و "سسی پنوں" کی صوفیانہ تعبیرات ان کی یادگار ہیں۔ ان کا کلام صاحبزادہ یوسف طاہر نے 240 صفحات پر مشتمل "کلیاتِ صالح محمد صفوری" کی صورت میں 2011ء میں شائع کیا، اگرچہ ان کی کئی تصانیف سیلاب کی نذر ہو گئیں۔(38) واقعۂ معراج کے بیان میں وہ کہتے ہیں:

آیا شب معراج نوں، عرشیں پیا شور
صالح نور رسول دا، غوثاں دے گل ڈور

(39)

حضرت قطبِ عالم: حضرت پیر سید قطب علی شاہ باقاعدہ شاعر نہ تھے، مگر فارسی، اردو اور پنجابی میں ان کا کلام "دیوانِ قطبیہ" کے نام سے مرتب ہوا، جس میں فارسی کلام کا بامحاورہ اردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا۔(40) اس کلام میں وحدت الوجود جیسے دقیق مسائل کے ساتھ ساتھ عبادات اور اتباعِ سنت کی تلقین بھی ملتی ہے:

ولے جس نے کی دل سے سنت قبول
خدا اس پہ خوشنود راضی رسول

(41)

ان کے ملفوظات کا مجموعہ "مرآۃ الفقراء" 1904ء میں لاہور سے شائع ہوا، جو اس خطے کی صوفیانہ نثر کا ایک قدیم نمونہ ہے۔(42) خلیفہ محمد جلال الدین سہروردی: آپ کی تصنیف "مرشد نامہ مع ساقی نامہ" مئی 1928ء میں جالندھر سے دو ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی۔ چھبیس صفحات اور انتیس ابواب پر مشتمل اس منظوم کتاب میں حمد، نعت، مناقبِ صحابۂ کرام، مناقبِ حسنین کریمین اور عشقِ حقیقی کے مضامین شامل ہیں۔(43) نعت کا آغاز یوں ہوتا ہے:

اے جلال الدین اب کچھ کر رقم
وصفِ شاہِ دو جہاں کا ہے اتم

(44)

پیر سید امیر علی شاہ (فرخ) اور سید محمد زکریا الحسن شاہ ترمذی: پیر سید امیر علی شاہ، جو بینائی سے محروم ہونے کے باوجود علم و تقویٰ میں ممتاز تھے، "فرخ" تخلص کرتے تھے۔ ان کا اردو اور پنجابی کلام ان کے نواسے سید توقیر حسین شاہ کاظمی نے "دیوانِ حافظ مجددی" کے نام سے شائع کیا۔(45) اسی طرح سید محمد زکریا الحسن شاہ ترمذی کا نعتیہ دیوان "صلِّ علیٰ" تین حصوں پر مشتمل ہے، جس میں وہ "ذکی" اور "ترمذی" تخلص استعمال کرتے ہیں:

وقتِ آخر ذکیؔ اُس کا دیدار ہو
جبکہ آنکھوں کی لو دُھندلائے بہت

(46)

اس ادبی سرمائے کی دینی اہمیت یہ ہے کہ اس نے مقامی زبانوں کو دینی تعلیم کا ذریعہ بنایا۔ جن دیہاتیوں تک عربی و فارسی کتب کی رسائی نہ تھی، ان تک نعت، منقبت، سہ حرفی اور قصہ کہانی کی صورت میں توحید، رسالت، فکرِ آخرت اور اخلاقی اقدار کا پیغام پہنچا۔

تحفظِ عقائد اور اجتماعی دینی تنظیم

مشائخِ پیر محل نے اپنے دور کی دینی تحریکوں سے بھی وابستگی رکھی۔ پیر سید محمد انور جیلانی قادری فاضلی 1940ء میں چک نمبر 477 گ ب سے ہجرت کر کے پیر محل آئے اور ٹینکی والے چوک میں آستانہ عالیہ قادریہ فاضلیہ جیلانیہ کی بنیاد رکھی۔ آپ نے ہمیشہ عقیدۂ ختمِ نبوت کا پرچار کیا، اور اپنے پیر خانے کے سجادہ نشین سید بدر محی الدین کے حکم پر باقاعدہ طور پر تحریکِ ختمِ نبوت کا ساتھ دیا۔(47) 1961ء میں آپ کمالیہ منتقل ہو گئے، مگر آپ کا قائم کردہ آستانہ پیر محل میں آج بھی موجود ہے۔ اختر سدیدی لکھتے ہیں:

> دینی اداروں کو اجتماعی تنظیم دینے کی ایک اہم مثال "انجمن خدام الصوفیہ پیر محل" ہے، جو 12 دسمبر 1948ء کو قائم ہوئی۔ اس کے پہلے صدر سید محمد انور جیلانی اور نائب صدر مولانا نور احمد تھے، جبکہ 1960ء میں دربارِ قطبیہ سندھیلیانوالی کے سجادہ نشین سید اسرار حسین شاہ اس کے سرپرست اور مولانا نور احمد صدر تھے۔(48)

جالب چوہدری لکھتے ہیں:

> 1950ء میں جامع مسجد پیر محل (جامع مسجد صاحبِ لولاک) کی باقاعدہ کمیٹی تشکیل پائی، تو اسی انجمن نے اس کی نگرانی قبول کی۔(49)

یوں خانقاہوں سے وابستہ افراد نے ایک مشترکہ پلیٹ فارم کے ذریعے شہر کی مرکزی مسجد کی تعمیر و انتظام کی ذمہ داری اٹھائی، جو خانقاہی روایت کو جدید انجمنی نظم سے جوڑنے کی ایک قابلِ ذکر مثال ہے۔

مشائخ پیر محل کی ملی خدمات کا جائزہ

تحریکِ پاکستان کا پس منظر اور مشائخ

تحریکِ پاکستان میں علما و مشائخ کا کردار محض تائید تک محدود نہ تھا؛ انہوں نے اپنے منبر، خانقاہی حلقوں اور مریدین کے وسیع نیٹ ورک کو قیامِ پاکستان کی حمایت میں استعمال کیا۔ سید شاہ تراب الحق قادری کے مطابق 1946ء میں، جب تحریک اپنے فیصلہ کن مرحلے میں تھی، علمائے کرام نے گھر گھر جا کر مسلمانوں میں پاکستان کی حمایت کا شعور بیدار کیا۔(50) پیر محل اور اس کے نواح کے مشائخ بھی اسی قومی دھارے کا حصہ تھے۔

تحریکِ پاکستان میں عملی شرکت

خانقاہی اثر و رسوخ کو انتخابی جدوجہد میں استعمال کرنے کی ایک واضح مثال دائرہ میراں جی سے ملتی ہے، جس کی نسبت سے حضرت سید محمد شریف چشتی صابری کا سلسلہ وابستہ ہے۔ خلیفہ محمد یونس صابری لکھتے ہیں کہ تحریکِ پاکستان کے وقت دائرہ میراں جی کے سجادہ نشین حضرت خان عبدالغنی دو قومی نظریے کے قائل تھے۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے حمایت یافتہ امیدوار صوفی عبدالحمید کے حق میں خود ووٹروں کے پاس جا کر مہم چلائی، اور صوفی عبدالحمید اس علاقے سے کامیاب ہوئے۔(51) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشائخ کی حمایت مسلم لیگ کے لیے دیہی پنجاب میں عوامی تائید حاصل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ تھی۔ شمیم افزا شمیم جالندھری لکھتے ہیں:

> پیر محل کے مشائخ کے رفقا میں ڈاکٹر فرید بخش کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جو آل انڈیا مسلم لیگ کے ایگزیکٹو ممبر اور ضلع لائل پور کی رضاکار تنظیم کے سالارِ اعظم تھے، اور جن کی قائم کردہ درس گاہ میں خلیفہ محمد جلال الدین سہروردی تدریس کرتے تھے۔ 21 نومبر 1942ء کو لائل پور کے دھوبی گھاٹ گراؤنڈ میں مسلم لیگ کے تاریخی اجتماع میں، جس میں قائدِ اعظم اور خواجہ ناظم الدین شریک تھے، ڈاکٹر فرید بخش نے فنڈ کی اپیل پر اپنی کمر سے بندھی تلوار پیش کر دی۔(52)

بعد ازاں قائدِ اعظم نے ان کی مستعدی کی تعریف کرتے ہوئے انہیں ایک اعزازی تلوار عطا کی اور فرمایا کہ یہ بوڑھا جرنیل اپنے سینے میں نوجوانوں کا دل رکھتا ہے، اور یہ تلوار اس لیے دی جاتی ہے کہ ملک و ملت کی حفاظت میں کام آئے۔(53)

اسی طرح پیر سید محمد انور جیلانی، جو 1940ء سے پیر محل میں مقیم تھے، اپنی مجالس میں دو قومی نظریے اور ایک علیحدہ اسلامی ریاست کی ضرورت کا پیغام دیتے رہے۔ پیر سید محمد حسین شاہ گیلانی ایک سرکاری استاد کی حیثیت سے اپنے شاگردوں کے ذریعے تحریک کا پیغام ان کے گھروں تک پہنچاتے، اور چک نمبر 330 گ ب اور اس کے نواح میں اپنے حلقۂ ارادت کو تحریک میں عملی حصہ لینے پر آمادہ کرتے رہے۔ مولانا نور احمد قطبی، جو قیامِ پاکستان سے پہلے ہی جامع مسجد پیر محل کے خطیب تھے، منبر سے اہلِ شہر کو تحریک کے مقاصد اور قائدین کی جدوجہد سے آگاہ کرتے، اور ساتھ ہی امن و امان قائم رکھنے اور مقامی غیر مسلم آبادی کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کرتے تھے۔

1947ء کے پر آشوب ایام اور مسلمانوں کا تحفظ

قیامِ پاکستان سے چند روز پہلے پیر محل ایک بڑے سانحے سے بال بال بچا۔ اختر سدیدی کے مطابق اُن دنوں پیر محل اور نواح کے مسلمان جامع مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ جمع کرنے کی غرض سے ایک بڑے جلسے کی تیاری کر رہے تھے، اور سکھ رہنما گیانی کرتار سنگھ نے پیر محل کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ 12 اگست 1947ء کو ایک مندر میں تیار کیا جانے والا بم وقت سے پہلے پھٹ گیا۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے قائد چودھری نظام الدین سرخیل، ایم رفیع تسنیم، حکیم محمد زکریا کمبوہ قادری اور ان کے ساتھی موقع پر پہنچے۔ پولیس افسر کی جانب سے معاملہ دبانے کی کوشش پر نیشنل گارڈ کے دو رضاکار سائیکلوں پر ٹوبہ ٹیک سنگھ گئے اور ایس ڈی او کو موقع پر لے آئے، جس کے بعد ملزمان کا چالان ہوا۔ تفتیش میں ملزمان نے بتایا کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ہونے والے اس جلسے پر پھینکنے کے لیے بیس بم تیار کیے جانے تھے۔(54) جالب چوہدری لکھتے ہیں:

> یہ واقعہ اس حقیقت کی علامت ہے کہ پیر محل میں دینی ادارے، یعنی جامع مسجد کی تعمیر کی تحریک، اور قومی جدوجہد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے؛ جالب چوہدری کے مطابق اس مسجد کی بنیاد حکیم محمد زکریا نے 1945ء میں رکھی تھی، اور 1946ء میں اس کی تعمیر کے لیے دیہات سے اینٹیں اور چندہ جمع کرنے والے نوجوانوں کی سرپرستی چودھری نظام الدین سرخیل کرتے تھے(55)

یعنی جو لوگ مسجد کی تعمیر میں پیش پیش تھے وہی نیشنل گارڈ کی صفِ اول میں بھی تھے۔ یہی جامع مسجد آج "جامع مسجد صاحب لولاک" کے نام سے آباد ہے۔ تقسیمِ ہند کے فسادات کو حل کرنے میں مولانا محمد عبد الغفور چراغوی کا کردار بھی نمایاں رہا۔ "رختِ سفر" کے مطابق زمانۂ طالب علمی میں فنِ گتکا کے ماہر ہونے کی وجہ سے قیامِ پاکستان کے موقع پر انہیں مسلمان رضاکاروں کے ایک دستے کی قیادت سونپی گئی۔ انہوں نے مغوی مسلمان خواتین اور بچیوں کی بازیابی میں حصہ لیا اور درجنوں شہدا کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (56) انہی خدمات کی بنا پر محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد نے انہیں "غازیِ اسلام" کا لقب دیا اور فرمایا کرتے کہ آپ اہلِ سنت کے شیر ہیں۔(57)

مہاجرین کی آبادکاری اور معاشرتی تعمیر

قیامِ پاکستان کے بعد پیر محل کے ویران بازار مہاجرین کی آمد سے دوبارہ آباد ہوئے۔ (58) اس مرحلے میں مقامی مشائخ نے انصار و مہاجرین کی سنت کو زندہ کرنے کی تلقین کی۔ مولانا نور احمد قطبی انصارِ مدینہ کی مثال دے کر اہلِ علاقہ کو مہاجرین کے ساتھ ایثار کی ترغیب دیتے، اور پیر سید محمد حسین شاہ گیلانی مقامی لوگوں کو مہاجرین سے ہمدردی اور تعاون کی تلقین کرتے رہے۔ 1947ء میں ہجرت کر کے پیر محل آنے والے حضرت پیر سید محمد موسیٰ شاہ نقوی نے، جو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ سے وابستہ تھے، نئے آنے والوں کی خدمت، ضرورت مندوں کی مدد اور شہر کی ابتدائی اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط اور بھائی چارے کی بنیاد رکھنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ (59) ڈاکٹر فرید بخش کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

تعلیم کے میدان میں بھی ملی تعمیر کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ڈاکٹر فرید بخش اور قاضی جلال الدین کی قائم کردہ غوثیہ فریدیہ درس گاہ اس بات کی مثال ہے کہ تحریکِ پاکستان کے کارکن اور مشائخ مسلمان بچوں کی تعلیم کو قومی خدمت سمجھتے تھے۔(60)

پیر سید محمد حسین شاہ گیلانی، پیرزادہ حبیب اللہ اویسی اور صاحبزادہ یوسف طاہر صفوری جیسے حضرات نے سرکاری و نجی تعلیمی اداروں میں تدریس یا ان کے قیام کے ذریعے اسی روایت کو آگے بڑھایا۔ اس طرح ان مشائخ کے نزدیک قیامِ پاکستان ایک منزل نہیں بلکہ ایک ایسی ذمہ داری کا آغاز تھا جس میں دین، تعلیم اور اخوت کے ذریعے نئی مملکت کی معاشرتی بنیادیں استوار کرنا شامل تھا۔ ان مشائخ کی دعوت کا بنیادی اصول یہ تھا کہ طریقت شریعت کی پابندی کے بغیر معتبر نہیں۔ حضرت قطبِ عالم کا شعر ”شریعت میں ہو پہلے محکم پسر“، ”مرآۃ الفقراء“ میں شریعت کی پاسداری پر مستقل مجلس، اور پیر سید اقبال حسین شاہ کا اوقاتِ نماز اور سنت کی پیروی کا اہتمام اسی اصول کی عملی صورتیں ہیں۔

خلاصہ تحقیق

تاریخ پیر محل سے پتہ چلتا ہے کہ خانقاہ، مسجد، مدرسہ اور دار الافتا ہمیشہ ایک دوسرے سے مربوط رہے جیسا کہ دربارِ قطبیہ کے ساتھ دار العلوم قطبیہ رضویہ، جامع مسجد سنی رضوی کے ساتھ مدرسہ عربیہ رضویہ اور دار الافتا، اور مشائخ کی عصری تعلیمی اداروں سے وابستگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں کے مشائخ نے روحانی تربیت کو علمی تعلیم سے جدا نہیں سمجھا۔ میاں علی حیدر، صالح محمد صفوری اور حضرت قطبِ عالم کے کلام نے پنجابی اور سرائیکی بولنے والے دیہاتی معاشرے میں دین کی تفہیم کا ایک مؤثر ذریعہ فراہم کیا۔ سی حرفی، نعت اور لوک قصوں کی صوفیانہ تعبیر کے ذریعے پیچیدہ عقائد اور اخلاقی تعلیمات عام آدمی کی زبان میں منتقل ہوئیں۔

پیر محل کا نام اور اس کی ابتدائی آبادی دونوں ایک صوفی خانوادے سے وابستہ ہیں؛ اس خطے کی دینی شناخت کی تشکیل میں خانقاہوں کا کردار بنیادی ہے۔ مشائخِ پیر محل نے دعوت و ارشاد کے ذریعے ایک تعلیمی طور پر پسماندہ دیہی معاشرے میں نماز، روزے اور دینی احکام کی پابندی کو فروغ دیا، اور شریعت کو طریقت پر مقدم رکھا۔ تدریس و افتا کے میدان میں جامع مسجد سنی رضوی کا مدرسہ اور دار الافتا، دار العلوم قطبیہ رضویہ اور دار العلوم غوثیہ سلطانیہ جیسے ادارے، اور جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد کی تاسیس میں شرکت ان مشائخ کی نمایاں علمی خدمات ہیں۔ ان کا فارسی، اردو، پنجابی اور سرائیکی ادب، مثلاً ''دیوانِ عشق''، ''کلیاتِ صفوری''، ''دیوانِ قطبیہ''، ''مرشدنامہ'' اور ''صلِّ علیٰ''، دینی تعلیم کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کا ذریعہ بنا۔

تحریکِ پاکستان میں ان مشائخ اور ان کے رفقا نے انتخابی مہم، قومی شعور کی بیداری اور مالی تعاون کے ذریعے حصہ لیا، اور 1947ء کے فسادات میں مسلمانوں کے تحفظ، مغوی خواتین کی بازیابی اور مہاجرین کی آبادکاری میں کردار ادا کیا۔ ان خدمات کے بیشتر مآخذ عقیدت مندانہ اور زبانی نوعیت کے ہیں؛ اس لیے ان کی تاریخی تحقیق، تدوین اور تنقیدی جائزہ ابھی باقی ہے۔ تحریکِ پاکستان کے دوران مریدین اور متوسلین کے حلقے قومی بیداری کا ذریعہ بنے۔ دائرہ میراں جی کے سجادہ نشین کی انتخابی مہم، خانقاہی مجالس میں دو قومی نظریے کا پیغام، اور مسجد کی تعمیر کرنے والے نوجوانوں کا نیشنل گارڈ میں سرگرم ہونا اس امر کی مثالیں ہیں کہ اس خطے میں دینی اور قومی وابستگی ایک دوسرے کی تکمیل کرتی رہیں۔

اس تحقیق کی ایک اہم حد یہ ہے کہ مشائخِ پیر محل کے حالات کا بڑا حصہ عقیدت مندوں، خلفا یا اہلِ خانہ کے مرتب کردہ تذکروں، ملفوظات اور زبانی روایات پر مبنی ہے۔ ان مآخذ میں کرامات کا بیان کثرت سے ملتا ہے، جبکہ تاریخوں، تعداد اور واقعات کی آزاد ذرائع سے تصدیق کم ہی ممکن ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت میاں علی حیدر کے سنِ ولادت کے بارے میں تین مختلف آرا ملتی ہیں، اور تحریکِ پاکستان میں بعض مشائخ کی خدمات کا ذکر صرف خاندانی روایات میں ملتا ہے۔ اس لیے ان خدمات کی تاریخی تدوین کے لیے سرکاری ریکارڈ، اخبارات اور غیر وابستہ مآخذ سے تقابلی تحقیق ضروری ہے۔ خانقاہی نظام کی موجودہ صورتِ حال پر نظر ڈالی جائے تو کئی اصلاح طلب پہلو بھی سامنے آتے ہیں، جن میں سجادگی کا محض وراثتی ہو جانا، فکری جمود، اور بعض عرسوں اور میلوں میں غیر شرعی رسومات کا رواج شامل ہیں۔ ان اداروں کی معنویت کا انحصار اسی پر ہے کہ وہ اسلاف کی روایت، یعنی علم، تزکیہ، شریعت کی پابندی اور خدمتِ خلق، کی طرف رجوع کریں۔

حواشی وحوالہ جات

(1)القرآن، النحل16: 125۔

(2)اظہر اللغات، ص98۔

(3)اختر سدیدی، "ریگ زار میں گھرا ہوا پیر محل"، مشمولہ: پندرہ روزہ شب وروز (لائل پور)، اشاعتِ خاص "پیر محل نمبر"، جلد3، شمارہ95(اکتوبر1960ء)، ص6۔

(4)۔"چاہات" فارسی لفظ "چاہ" (کنواں) کی جمع ہے، جس کا بنیادی معنی "کنویں" ہے۔اس جملے میں یہ اصطلاح بطور زمین کی پیائش کی اکائی استعمال ہوئی ہے، جو پنجاب کے ریکارڈ میں کنویں کی آبپاشی سے متعلق زمین کی قسم کی نشاندہی کرتی ہے (جیسے "چاہی" زمین، یعنی وہ زمین جو مستقل طور پر کنویں کے پانی سے سیر اب ہو)، اور "چاہات" اس قسم کی زمین کی پیائش یا رقبے کی نشاندہی کرتا ہے۔ پنجاب کے زمینی ریکارڈ دستاویزات میں "نقشہ میلان رقبہ میں چاہات کا اندراج" کا ذکر ملتا ہے، جو اس کے بطور ریکارڈ اصطلاح استعمال کی تصدیق کرتا ہے۔(Land Records Manual, Punjab)

(5)سید زوار حسین نقوی، "اصل پیر محل اور اس کی وجہ تسمیہ"، مشمولہ: شب وروز، پیر محل نمبر، جلد3، شمارہ95(اکتوبر1960ء)، ص13۔

(6)اختر سدیدی، "ریگ زار میں گھرا ہوا پیر محل"، ص8۔

(7)ایضاً، ص13۔

(8)اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ (لاہور: دانشگاہِ پنجاب، 1971ء)، 4: 668۔

(9)خلیق احمد نظامی، تاریخِ مشائخِ چشت (لاہور: مشتاق بک کارنر، س ن)، 1: 278۔

(10)لالہ حکم چند، تواریخِ ضلع ملتان (لاہور: مطبع محمدی، 1884ء)، ص119۔

(11)صاحبزادہ یوسف طاہر (مرتب)، کلیاتِ صالح محمد صفوری (عبدالحکیم، ضلع خانیوال: مکتبہ صفوریہ، 2011ء)، ص65۔

(12)پیر سید فضل حسین شاہ، مرآۃ الفقراء (لاہور: دین محمدی پریس، 1904ء)، ص25۔

(13)محمد طاہر حسین قادری، لمعاتِ قطب (اسلام آباد: المسطر پبلشرز، طبع اول، 2016ء)، ص69۔

(14)ایضاً، ص71۔

(15)ایضا، ص84۔

(16)ایضاً، ص77۔

(17)ایضاً، ص112۔

(18)پیر محمد طاہر حسین قادری (مرتب)، دیوانِ قطبیہ (لاہور: طفیل پبلشرز، 2004ء)، ص60۔

(19)عبدالحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابرِ اہلِ سنت پاکستان(لاہور:شبیر برادرز، س ن)، ص405۔

(20)مولانا فیض احمد فیض، مہرِ منیر(لاہور:پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، 1997ء)، ص411۔

(21)لمعاتِ قطب، ص78۔

(22)ڈاکٹر محمد لطیف سہروردی، سیرت و معمولاتِ سید اقبال حسین شاہ، ص13، 14۔

(23)طاہر، صاحبزادہ یوسف۔ کلیات صالح محمد صفوری۔ عبدالحکیم: مکتبہ صفوریہ، 2011، ص56۔

(24)القرآن، المجادلہ 58: 11۔

(25)اختر سدیدی، "مذہبی ادارے"، مشمولہ: شب و روز، پیر محل نمبر، جلد 3، شمارہ 95(اکتوبر 1960ء)، ص30۔

(26)صائم چشتی، حیاتِ لاثانی، ص90، 91۔

(27)صاحبزادہ ضیاء المصطفیٰ، رختِ سفر (قلمی)، ص12۔

(28)شمیم افزا شمیم جالندھری، سوانح حیات ڈاکٹر فرید بخش(لاہور: ادارہ مصنفات، 1989ء)، ص26۔

(29)پیر سید محمد حسین شاہ گیلانی، ذاتی ڈائری (قلمی)۔

(30)جالب چوہدری، (مضمون) غوثیہ اسلامیہ کالج، فرید آباد، مشمولہ: شب و روز، پیر محل نمبر، جلد 3، شمارہ 95(اکتوبر 1960ء)، ص36۔

(31)میاں اللہ بخش جلال (مرتب)، دیوانِ عشق (2021ء)، ص56۔

(32)ایضاً، ص11۔

(33)ایضاً، ص13۔

(34)ملک فضل الدین (مرتب)، مکمل مجموعہ ابیات حضرت علی حیدر ہاشمی(لاہور: مختار پرنٹنگ پریس، س ن)، ص1 تا3۔

(35)دیوانِ عشق، ص59۔

(36)ایضاً، ص52۔

(37)صاحبزادہ یوسف طاہر، کلیات صالح محمد صفوری، مکتبہ صفوریہ آئیڈیل سکول بلڈنگ عبدالحکیم شہر، ضلع خانیوال 2011ء، ص 42، 56۔

(38)ایضاً، ص51۔

(39)ایضاً، ص70۔

(40)دیوانِ قطبیہ، ص1۔

(41)ایضاً، ص21۔

(42)مرآۃ الفقراء، ص13، 14۔

(43)خلیفہ محمد جلال الدین سہروردی، مرشدنامہ مع ساقی نامہ (جالندھر: بہ فرمائش بابو عمر الدین، 1928ء)، ص1۔

(44)ایضاً۔

(45)سید توقیر حسین شاہ کاظمی (مرتب)، دیوانِ حافظ مجددی (قصور: پنجاب پرنٹنگ پریس، س ن)، ص9۔

(46)سید محمد زکریا الحسن شاہ ترمذی، صلِّ علیٰ، حصہ اول (لاہور: عمر سنز، س ن)، ص23 تا43۔

(47)سید بدر محی الدین، مکتوب مؤرخہ 29 اگست 1936ء (قلمی)۔

(48)اختر سدیدی، "مذہبی ادارے"، ص30۔

(49)جالب چوہدری، مشمولہ: شب و روز، پیر محل نمبر، ص36۔

(50)سید شاہ تراب الحق قادری، تحریکِ پاکستان میں علمائے کرام کا کردار، ص211، 212۔

(51)خلیفہ محمد یونس صابری، ندوۃ الاصفیاء، ص23۔

(52)شمیم افزا شمیم جالندھری، سوانح حیات ڈاکٹر فرید بخش، ص167۔

(53)ایضاً، ص168، 169۔

(54)اختر سدیدی، "پیر محل کا مشہور بم کیس"، مشمولہ: شب و روز، پیر محل نمبر، جلد 3، شمارہ 95 (اکتوبر 1960ء)، ص15۔

(55)جالب چوہدری، (مضمون) غوثیہ اسلامیہ کالج، فرید آباد، مشمولہ: شب و روز، پیر محل نمبر، ص36۔

(56)ضیاء المصطفیٰ، رختِ سفر (غیر مطبوعہ، قلمی نسخہ راقم کے پاس موجود ہے)، ص18۔

(57)ایضاً، ص13۔

(58)اختر سدیدی، "ریگ زار میں گھرا ہوا پیر محل"، ص13۔

(59)سید محمد نعیم شاہ، سید محمد ذیشان شاہ اور الحاج قاری منظور احمد صفدر، مشترکہ انٹرویو، 8 اگست 2026ء۔

(60)سوانح حیات ڈاکٹر فرید بخش، ص26۔